کو پیارے ساماا کا انتظار کرتے۔ پھر کہیں سے ساما صاحب یکبارگی ہلہ بول کر ان کی گود میں آ کر بیٹھ جاتا۔

خاں صاحب گود میں براجمان ساما سے کوئی بات نہ کرتے نہ اسے پچکارتے۔ صرف جسم کی گر... دوسرے کی بات خوب سمجھتی تھی۔ وہ شانتی پراپتی ناشتہ کرتے رہتے۔ ساما گود میں خرخر کرتا اپنی محبت کا اظہار کیے جا... یاد ہے ایک دن شہاب بھائی آئے اور غلطی سے خاں صاحب والی کرسی پر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر کے بعد مسٹر ساما نے... لگائی اور شہاب بھائی کی گودی میں چڑھ گیا۔ اس وقت شہاب بھائی کا چہرہ دیکھنے والا تھا۔ وہ تمام تر گھبراہٹ، نا... بھاگ جانے کے موڈ میں تھے۔ انہوں نے ہاتھ اٹھا کر بڑی لجاجت سے کہا۔

"اسے اٹھا لو اشفاق۔ اٹھا لو جلدی۔"

میں نے شہاب بھائی کو کبھی اس قدر گھبرائے ہوئے نہیں دیکھا۔ ان کی نا گواری سو رہی کی ساری اُن... کے پسینے میں بھیگی ہوئی تھی۔ خاں صاحب نے بلا صاحب کو اٹھا کر اپنی گود میں لے لیا۔ پھر خرخر کرنے کی آواز آ... شہاب صاحب کے ردِ عمل پر کسی قسم کا تبصرہ نہ ہوا اور چائے کا دور بڑی ہمواری سے جاری ہو گیا۔

یہ صرف خاں صاحب کے ساتھ ہی ممکن تھا ورنہ کچھ اور قسم کے لوگ ہوتے تو بڑے آرام سے بحث... سکتا تھا کہ بلی مکروہ ہے کہ حلال ہے۔ اسے گود میں بٹھانا چاہیے کہ نہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ بھی نور والے بابا جی کی صح... وہ بڑے عجیب انداز میں نوٹ کہہ کر ایک ایسا جملہ کہہ دیتے کہ تربیت چاہنے والے کی زندگی بدل جاتی اور وہ... خوشی اپنی سادہ زندگی گزارے چلا جاتا۔

بابا جیؒ فرمایا کرتے تھے...... "بیٹا نوٹ! ہمیشہ برائی سے نفرت کرنا ہے۔ برائی کرنے والے سے... ورنہ آپ میں وہ برائی پیدا ہو جائے گی اور اس پر توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔"

گھر میں ساما کا راج تھا۔ وہ دن میں دو مرتبہ کچا قیمہ کھاتا۔ موٹا تازہ شیر ببر سا اپنی مرضی سے... سے باہر بھاگ جاتا۔ اس کی زندگی من مانی پلاننگ پر چلتی تھی۔ نہ وہ کسی ڈسپلن کا دست نگر تھا۔ نہ کوئی قانو... ہوتا۔ ایک روز جب میں ساما کو قیمہ ڈال رہی تھی تو رمضان بھائی جو پیدائشی بزرگ ہیں، بولے "آپا جی... پورے بیالیس روپے کا قیمہ کھا جاتا ہے۔ اس کا کیا فائدہ! اتنا قیمہ تو کسی غریب آدمی کا سارا خاندان پالنے کو کافی..."

میں چپ ہو گئی۔ رمضان بھائی وہ قناعت پسند شخص تھے جو دو پچی میں روٹی پونچھ کر گزر بسر کر لیتے تھے... نے کسی پھل کی رغبت ظاہر کی نہ کسی بوٹی شوربے پر ان کا دل للچایا۔ موسمی سبزیاں، پھل ان کی ڈکشنری میں موجو... اپنی خواہشات اپنے نفس کے اندر بند رکھنے پر قادر تھے۔ نیا خوبصورت لباس عید بقرعید پر پہنتے۔ پھر وہی بے ر... ڈھلے ہوئے کپڑے ان کے تن پر ہوتے۔ جھاڑو ہوتا۔ لان کی گھاس ہوتی۔ سائیکل ہوتا اور بازاروں کے سو...

جون کے مہینے میں وہ لان میں لگے انار کے درخت تلے گھاس پر نماز پڑھتے نظر آتے۔ رمضان بھی... والا تھا۔ جب ایک روز شہاب صاحب نے خاں صاحب سے کہا۔ "اشفاق یار! تم اس مہینے رمضان بھائی سے ق... کچن کا دھندا چلایا کرو۔ اس سے زیادہ حلال کی پاک کمائی میں نے کہیں نہیں دیکھی۔"

حلال کی کمائی کھانے والے ساما کے قیمے پر اعتراض کر رہے تھے اور میں مجوب سی سوچ رہی تھی۔

پتھر میں بھی روزی دیتا ہے۔ اگر...... اگر سامبا کو روز ایک کلو قیمہ کھانے کو دلوا رہا ہے تو یہ اس کی حکمت ہے۔ غالباً یہ اس وقت ہوگا جب میں اپنے لیے روز یہ قیمہ بھون کر کھاؤں اور ڈنکے کی چوٹ اسے اپنا حق سمجھوں۔ میں اپنے کو رمضان بھائی کی طرح سمجھ نہیں سکتی۔ وہ سارے کے سارے ایک اور طرح کے آدمی تھے۔ میں ساری کی کبھی تیتر اور کبھی بٹیر اس لیے جلد ہی میں نے اُن کی بات بھلا دی۔

کچھ لوگ مذہب، مسلک، مقولے، سب اپنے آرام، سہولت اور آسانی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ جونہی کسی کا جواز پیش کرنا ہو ان کے پاس بڑی ٹھوس، من چاہی دلیل ہوتی ہے۔ میرا شمار ایسے ہی مطلبی خدا پرستوں میں اس لیے رمضان بھائی کی بات کا مجھ پر کوئی اثر نہ ہوا۔

سامبا رات کے وقت غائب ہو جاتا۔ مجھے تو کچھ ایسا فرق نہ پڑتا کیونکہ ان دنوں گھروں کے دروازے رات کو بند کرنے کا رواج نہ تھا۔ سامبا صاحب صبح کے وقت گھوم پھر کر آ جاتے اور کسی کرسی صوفے پر گھوک سو رہتے۔

ایک روز جب ہم ناشتے کی میز پر تھے تو حسب معمول سامبا نے چھلانگ لگائی اور خاں صاحب کی گود میں ہو گیا۔ اُس کے تن پر اتنے خوبصورت بال تھے کہ پتہ نہ چلا کہ سامبا کا تو سارا پیٹ چاک تھا اور انتڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ خاں صاحب کی جھولی لہو آلود ہو گئی۔ اس تکلیف کے باوجود سامبا نے محبت میں آ کر خرخر کرنا نہ چھوڑا۔

”اس کا کیا کریں؟ دیکھو تو سہی کیا ڈوئل لڑ کر آیا ہے کسی رقیب کے ساتھ۔“ خاں صاحب بولے۔

”آپ اسے ڈاکٹر کے پاس لے جائیں، ٹانکے لگیں گے چھ سات ٹھیک ہو جائے گا۔ فکر نہ کریں۔“

خاں صاحب خود ڈنگر ڈاکٹر محمد خاں کے بیٹے تھے اور جانتے تھے کہ جانوروں کو بھی ایسی حالت میں محبت کی کتنی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کے چہرے پر تھوڑا سا ملال آ گیا۔ ”لیکن ڈاکٹر تو ہے نہیں آج کل۔“

”کیا مطلب؟“

”تین دن ہوئے ڈنگر ڈاکٹر مجھے فاروقی کی دکان پر ملا تھا۔ وہ گاؤں گیا ہوا ہے۔ اب کیا کریں؟“

قیام پاکستان کے وقت ایک مہاجر کو ہمارے گھر کے سامنے کرپان لگی تھی۔ نانا اس زخمی کو گھر کے اندر لے آئی میں نے سادہ فسٹ ایڈ کی تھی۔ کچھ دن کے بعد وہ چل کر پٹن چلا گیا تھا۔ ابھی کچھ دن ہوئے وہی آدمی مجھے انارکلی میں ملا کہنے لگا ”بی بی جی! آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔ میری مرہم پٹی کی تھی آپ نے، گورداسپور میں۔“

”خاں صاحب! آپ کہیں تو میں سامبا کا علاج کروں۔“ میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

”لیکن یہ وحشی تمہیں ہاتھ لگانے دے گا؟ دیکھو ناں ساری انتڑیاں نظر آ رہی ہیں۔“

مجھے یقین نہیں تھا کہ وہ خاں صاحب کی گود میں سے میرے پاس آ جائے گا لیکن باقاعدگی سے قیمہ کھلانے کی عادت اس وقت کام آئی۔ میں نے سامبا کو اٹھایا تو اس نے خاں صاحب کا ہاتھ چاٹا لیکن مزاحمت نہیں کی۔ اسے اٹھا کر اپنے کمرے میں لے گئی۔ پہلے گرم پانی میں تھوڑا سا ڈیٹول ملا کر سارے زخم کو دھویا۔ عجب بات ہے کہ میں نے اس کا پیٹ کھلا رکھا۔ خون دھویا لیکن اس نے ایک بار بھی اعتراض نہ کیا۔ پھر انیق خاں نے دوائی کے پھاہے تیار کیے۔ ... سپورٹ جاری رکھی۔

میں نے تین چار انچ لمبے زخم پر پٹی باندھی اور تعجب اس بات پر کہ نہ وہ کسمایا، نہ غرایا نہ کسی قسم کا... پٹی بندھ گئی تو وہ آرام سے انیق خاں کے پلنگ پر چڑھ کر سو گیا۔ اس طرح کچھ دن پلٹیاں بدلنے کے بعد ایک... سارا زخم مندمل ہو چکا تھا۔ محسوس بھی نہ ہوتا کہ کسی بلے نے اپنے دانتوں سے چیر پھاڑ کی ہو گی۔ مشکل یہ آن پڑی... سامبا صاحب تندرست ہوئے اُدھر انہوں نے رات کی آوارہ گردی جاری کر دی۔ اب خاں صاحب کا چہرہ...

ایک دن پریشان باپ کی طرح صبح ناشتے کی میز پر بولے۔ ''رات یہ پھر غائب تھا۔''

''یہ راتوں کو جاگنے والا ہے۔ آوارہ گرد ہے۔ اسے گھر پر کیسے قید کریں؟''

''اس کا علاج شادی ہے۔''

''شادی۔''

''جب کسی کو قید کرنا ہو، اسے آوارگی سے بچانا ہو تو اس کی شادی کر دینی چاہیے۔ انسان کی ضرورت ہو جائے تو وہ آوارگی سے بچ جاتا ہے۔''

شادی کا فلسفہ جانوروں پر لاگو ہوتے میں نے پہلی بار سنا۔

''آپ کا مطلب ہے.....''

''اس کے لیے بلی تلاش کریں۔ اس کی نسل کی نہ ملے تو جنگلی سہی۔ زیادہ دیر نہ کریں۔ غصہ ور... بھولا ہے۔ پھر کسی دن چیر پھاڑ کرا کے آ جائے گا۔''

خواہشات میں عجب قسم کی کھینچ ہوتی ہے۔ اگر کبھی کسی کے لیے بے غرض و غایت معصوم اور اچھی... جائے تو نہ جانے وہ کس طرح پوری ہو جاتی ہے۔ ابھی خاں صاحب لڑکی تلاش کرنے نکلے بھی نہ تھے کہ ایک... گھر کی دیوار پر ایک سیامی بلی بیٹھی نظر آئی۔ سر ظفر اللہ خاں کی بیٹی مسز اولیس ہمارے ہمسائے میں رہتی تھیں... ہمارے گھر کی دیوار سانجھی تھی۔

چھوٹی سی بلی اسی دیوار پر بیٹھی آنکھیں موندے دھوپ سینک رہی تھی۔ خاں صاحب نے بڑی پر... بڑھایا تو وہ بنا چوں و چرا اُن کے ساتھ آ گئی۔ سامبا کے ساتھ کٹوری میں قیمہ ڈال کر دیا تو دونوں یوں کھانے لگے... کا ساتھ ہو۔

نہ جانے یہ آوارہ بلی تھی کہ خاں صاحب کی خواہش مجسم ہو گئی تھی لیکن بلی کا مل جانا معجزے سے کم نہ تھا... اعتبار سے سیامی، دبلی پتلی، نیلی آنکھیں، بادامی بال اور سیاہ کان۔ کچھ حصہ کالا سیاہ بھی تھا۔ غالباً اسی کی رعایت سے... صاحب نے اس کا نام نیرا رکھ دیا۔ اب گھر میں بڑی رونق تھی۔ سامبا صاحب کی بڑی شو ہو گئی۔ جہاں جاتا پچھلا... کر چلتا۔ پہلے جگہ سونگھتا، دیکھتا اور پھر نیرا کو وہاں بیٹھنے، لیٹنے، سونے کی اجازت دیتا۔

وہ بھی ایسی کام چور، جاہل آرام طلب تھی کہ جب تک سامبا اس کے قیمے کو چیک کر کے پاؤں سے... اُس کی طرف نہ بڑھاتا، مہارانی جی قیمے کو منہ نہ لگاتی۔ کالجوں سے واپسی پر بچے ان دونوں میں مشغول ہو جاتے... اب راتوں کو آوارہ گردی کے لیے نہ نکلتا اور دونوں برآمدے میں کھیلتے کودتے، ہنسی خوشی رہنے کے عادی ہو گئے۔

پھر نیرا خانم نے اٹھلا کر چلنا شروع کر دیا۔ اب وہ پہروں بیٹھی اپنے ناخن چاٹتی رہتی۔ چلتی تو اتراتی ہوئی۔ یں اب اسے پسند نہ تھیں۔ وہ اپنے آپ کو سامبا سے کچھ کچھ بہتر سمجھنے لگی تھی۔ ایسے میں اُس کا قیمہ بھی بڑھا دیا ے ہر کمرہ میں زچہ بچہ کی جگہ تلاش کرنے کی کھلی چھٹی دے دی گئی۔

پھر عجب سی بات ہے کہ نیرا سارے گھر میں ڈھونڈتی رہی۔ ہر کونے کھدرے میں اس نے آنے والے سیامی آمدید کہنے کے لیے کنسویاں لیں۔ اوپر لائبریری سے لے کر باورچی خانے تک سب طرف ڈھنڈیا ڈالی لیکن ے غسل خانے کے ساتھ والے ڈریسنگ روم میں میرے کپڑوں والی الماری کو چن لیا۔

یہ الماری بیڈ روم اور ڈریسنگ روم کے درمیان کھلنے والے دروازے کے پیچھے ہے۔ عجیب سی بات ہے کہ میں بھی ایک دروازہ ہے جس کے پیچھے کسی الماری کا پٹ بھی کھلتا ہے۔ یوں سمجھیے اگر کوئی شخص الماری کھولے بیڈ روم کا دروازہ کھول کر کوئی دوسرا اندر آنا چاہے تو دروازہ الماری کھولنے والے کو زور سے لگ بھی سکتا ہے۔

گھر والے تو کبھی دستک دے کر اندر آتے لیکن بلی صاحبہ نے اس بے آرامی کا خیال نہ کیا اور الماری میں اس بچے کہ شیلف میں کپڑے نکالنا بھی مشکل ہو گیا۔ چھوٹے چھوٹے روئی کے بادامی گالے بچا ہے۔ شلواروں تے۔ انہیں دیکھ کر جی خوش ہو گیا۔

عجیب سی بات ہے کہ نیرا ابھی قیمہ کھلانے والے کو پہچانتی تھی اور انسانوں کی طرح احسان فراموش نہ تھی۔ میں پٹ کھول کر دیکھتی، قیمہ کھلاتی، جگہ صاف کرتی تو نیرا کو کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ اگر کوئی اجنبی بندہ ذرا سی آہٹ بھی پھول کر غرانے لگتی۔

لے ہوئے بچے بڑے ہو گئے تو انہیں نیرا برآمدے میں لے آئی لیکن سامبا بچوں سے بے نیاز تھا۔ نہ کبھی ن سے کھیلتے دیکھا نہ کبھی وہ ان کے ساتھ ہی چلا۔ اب یہ ببر شیر بس اتنی نگرانی کرتا کہ جدھر بچے کھیلتے اُدھر کر بیٹھا رہتا۔ ذرا کوئی قریب سے گزرتا تو اس کے پنجے نکل آتے اور ماتھے پر غصہ آمیز شکن پڑ جاتی۔

نیرا کے بچے بڑے ہی خوبصورت، کھلنڈرے اور تماش بین قسم کے تھے۔ ذرا سا اخبار کا ٹکڑا، روئی کا گولہ، کوئی گری پڑی چیز مل جاتی تو چاروں سب کچھ بھول بھال کر اس کے ساتھ کھیل تماشے میں مشغول ہو ے میں میز پر فون پڑا رہتا۔ اس کی تار اوپر جاتی تھی۔ اس پر چڑھنا لڑھکنا اور گر کر دوبارہ چڑھنا ان کا تھا۔

ب ان بچوں کے دان دکشنا کی باری آئی۔ آہستہ آہستہ ان کو ہم ٹھکانے لگانے کی سوچنے لگے۔ ایک بچہ چھوٹی یہ ایک فہیم اچھی لے گیا۔ دو بچے انیق خاں نے کسی دوست کو دلوا دیے۔ نیرا کمروں میں ان کو تلاش کرتی رہی میں موت کے ساتھ سمجھوتہ کرنا اور جیتی جان کی بے وفائی برداشت کرنے کا عجب ملکہ ہوتا ہے۔

بہت جلد جدائی کو زندگی کا حصہ سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں۔ نیرا اور سامبا نے بھی جانے والوں کی تلاش میں کچھ پھر راضی برضا ہو گئے۔ اس واقعے کے بعد نیرا نے ایک بار پھر بچے دیے۔ ان تین بچوں کو ٹھکانے لگانے ہم دل میں خوش تھے کہ ایک رات نیرا جہاں سے آئی تھی جس طرح آئی تھی ویسے ہی غائب ہو گئی۔

سامبا پھر اپنی تنہائی اور آوارہ گردی کی نذر ہو گیا۔

ایک صبح سامبا کو دیکھا کہ بے طور تے پر تے کیے جا رہا تھا۔ خاں صاحب اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئے۔ واپس آئے تو سامبا کی طبیعت پہلے سے بھی خراب تھی۔ منہ سے جھاگ نکل رہی تھی اور بار بار وہ غش کی حالت میں تھا۔ اسے پریم سے لٹاتے ہوئے خاں صاحب بولے۔ ''ڈاکٹر کہتا ہے اس نے کوئی زہریلی چیز کھالی ہے۔''

''کون سی زہریلی چیز؟''

''کوئی مری ہوئی چھپکلی، سانپ۔ پتہ نہیں کیا۔''

جس وقت انیق خاں کالج سے لوٹا، اس نے جلدی جلدی سامبا کو کچھ ہومیو پیتھک پڑیاں چٹائیں لیکن وہ کھانے کی ہمت بھی نہ رکھتا تھا۔ تھوڑی سی جدوجہد کے بعد اس نے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیے اور جان آفریں کے سپرد اپنی جان کر دی۔ آخری لمحہ بھی وہ شیر صفت نہ بیزار ہوا نہ بلبلایا۔ موت اسے ساتھ تو لے گئی لیکن پسپا نہ کر سکی۔

انیق خاں نے گیٹ کے ساتھ ہی جہاں بعد میں پوسٹ کے لیے لال ڈبہ لگایا گیا، عین اس کے ... کھودا۔ بچوں نے اسے سفید کپڑے میں لپیٹا اور قبر میں ڈال دیا۔ کئی دن اس کی قبر پر پھول نظر آتے رہے۔ جب گھر سے نکلتا یا واپس آتا اس کا چہرہ اُدھر ضرور ہو جاتا۔

سامبا کے جانے کے بعد خاں صاحب نے بھی گویا جانور پالنے سے توبہ کر لی تھی۔ شہری زندگی کے بوجھل بھی تھے اور تکلیف دہ بھی۔

کوئی بھی جانوروں کو وقت نہ دے سکتا ہے۔ کوالٹی ٹائم سے کسی جاندار کا دل نہیں بھرتا۔ سورج کی روشنی درکار ہوتی ہے۔ محبت کی مسلسل یقین دہانی کے بغیر سانس رکنے لگتا ہے۔ دیہاتی زندگی میں ستاریوڑ کے ساتھ ... ہے۔ چرواہا بھی قریب ہی دونوں کی نگرانی کرتا ہے۔ سورج کی روشنی ملتی رہتی ہے نہ کتے کی طرف سے چرواہے کی جانب سے اقرار کیا جاتا۔

اب چونکہ زندگی نے فاصلے پیدا کر دیے ہیں۔ وقت اہم ہو گیا ہے۔ اس لیے کوالٹی ٹائم بھی اہم ... جانور کو سیر پر لے جانا اسے پیار کرنا ضروری ہے۔ سارا دن کا ترسا ترسایا زیادہ مانگتا ہے۔ دوسری طرف انسان سارے دن کی دوڑ دھوپ کے بعد اظہار ایک بوجھ بن جاتا ہے۔ خوشی کے بجائے ذمہ داری کی پھانسی لگ جاتی ...

صنعتی انقلاب سے پہلے ماں آنگن کی زینت تھی۔ وہیں دہی بلوئی جاتی، چارہ کاٹنے والی مشین ... پکتیں، بچے آنگن میں کبھی مرغیوں کے پیچھے کبھی بلیوں کے ساتھ کھیلتے۔ پلٹ پلٹ کر ماں کو دیکھ لیتے۔ شرارت ... کھیلنے لگتے۔ ماں کی مثال دائی کی سی تھی جسے چھونے کے بعد کوئی چور نہ بنتا۔ دائی ہر وقت نگاہ میں تھی۔ گر گئے تو ماں سے لگ کر تسلی حاصل کر لی۔ بھوک لگی کٹوری میں مکھن، سالن، دہی جو میسر آیا ڈلوا کر باسی روٹی کے ساتھ کھا لیا ... خیر سلا۔

کوئی Privacy نہیں، کوئی ذاتی ملکیت کا تصور نہیں۔ گرمیوں میں قطار در قطار چارپائیاں بچھی ہیں ... بچے اکٹھے سو رہے ہیں۔ سکیورٹی اور خوشی بغیر پوچھے مانگے ملتی ہے۔

شاید خاں صاحب نے محسوس کرلیا تھا کہ ان کے پاس پالتو جانوروں کے لیے نہ وقت ہے نہ استقامت، نہ
یکن پھر ایک واقعہ ہوا۔ صبح کے وقت سردیوں کے دن تھے۔ ہم دونوں نے ایک ایک کمبل کا گاؤن سلوالیا
ریسنگ گاؤن کا رنگ کیسری مائل تھا۔ خاں صاحب کا گاؤن چوکلیٹ اور بادامی ٹکڑیوں کے تانے بانے

ہم دونوں اپنا اپنا ڈریسنگ گاؤن چڑھا کر کمر میں Tassle والی ڈوری باندھ کر سیر کو جایا کرتے۔ عجیب لطف تھا
یال نہ آیا کہ یہ لباس موزوں نہیں۔ ابھی لباس اور کھانے میں مڈل کلاس کے لوگ آزاد تھے۔ وہ کسی کو مرعوب
نے اور حسد دلانے کے لیے لباس کا استعمال نہ کرتے تھے۔ ایک روز ہم سیر سے لوٹے تو ہمیں باہر انیس متفکر
بی پھر چپ چاپ لوٹ گیا۔

ن دنوں اثیر بیٹا پانچویں جماعت میں تھا۔ اسے بخار وقتاً فوقتاً گھیر لیتا۔ یہ بخار کبھی کبھی 106 ڈگری تک پہنچ
ٹیاں سارے بدن پر رکھنی پڑتیں۔ ہماری تشویش تو ایک عرصہ پہلے 75۔ جی میں ہی شروع ہوگئی تھی لیکن ابھی
ہو پائی تھی۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر طوسی، پارسی ڈاکٹر جن کا کلینک نکلسن روڈ پر تھا اور میو ہسپتال کے ڈاکٹر اختر
بلہ کیا گیا۔

یسی ہی ایک رات جب ہم پیاری فوکسی میں گھر لوٹ رہے تھے تو انیس اور اثیر ہمارے ساتھ تھے۔
کچھ دیر بعد انیس بولے ''ابو...... چیری کو تو پھر تیز بخار ہے۔''
''آپ کے سامنے ڈاکٹر کو دکھا کر لا رہے ہیں۔ ٹھیک ہو جائے گا۔''
''مجھے اس فوکسی کی خوشی نہیں ہوتی ابو۔ یہ کسی طرح ٹھیک ہو جائے گا۔''
سب خاموشی سے اتر گئے لیکن مجھے علم ہے کہ انیس کے دل کا بوجھ ہلکا نہ ہوا۔

''داستان سرائے'' میں جب اثیر پانچویں میں تھا تو کچھ ٹسٹ کروانے کے بعد بعد پتہ چلا کہ اثیر بیٹے کے جگر
Abcess ہے۔ خوف یہ تھا کہ اگر اس کا آپریشن نہ کرایا گیا تو کہیں یہ کینسر میں بدل کر لاعلاج نہ ہو جائے۔
مقررہ وقت پر ہم دونوں اثیر کو لے کر میو ہسپتال پہنچے۔ اس آپریشن کے دوران ڈیڈی جی کے بڑے بیٹے ڈاکٹر
افتخار نے ہماری بہت مدد کی۔ اثیر کو آپریشن سے پہلے باہر گیلری میں نسٹر نے بے ہوشی کا ٹیکہ لگا دیا۔ میں تھوڑی
ی خفتی تھی۔ میں نے بے ہوش اثیر بیٹے کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ خاں صاحب کا ہاتھ میرے کندھے پر تھا۔
اتنے میں وارڈ قلی باہر نکلے اور اثیر خاں کو تھیٹر میں لے گئے۔ میں نے بڑی مشکل سے آنسو ضبط کر رکھے تھے۔
ے بعد (طارق) لکلو نکلا، اس نے چچا سے کہا۔ ''چاچا جی! یہ کوٹ پہن لیں اور اندر چلے آئیں۔'' ہم دونوں ڈاکٹروں
پ جگر اس کے ساتھ اندر چلے گئے۔ ڈاکٹروں نے ہمیں مبارکباد دی۔ Abcess کو سرنج سے خالی کر دیا گیا تھا۔
ے ہم خوشی خوشی فارغ ہو کر گھر آئے لیکن بخار کو ساتھ لائے۔
پتہ نہیں Abcess کے کچھ اثرات باقی تھے کہ اس کے لہو میں ایسا کوئی مادہ تھا جو ایسا مواد بناتا تھا جو اس ساری
ے باعث تھا۔ بہرکیف میں نے تو اپنی زندگی سے یہی سیکھا ہے کہ جب اللہ کو انسان کی مدد کرنا مقصود ہوتی ہے تو امداد

غیبی معجزے کی شکل میں آتی ہے۔ ایک روز دن چڑھے مجھے اطلاع ملی کہ ڈاکٹر احمد خاں آئے ہیں۔ یہ وہی ڈاکٹر
تھے جو ملتان میں سرکاری زمینوں کی دیکھ ریکھ کرتے تھے اور جنہوں نے میری والدہ کے ساتھ بھائیوں کا سا سلوک کیا
میں باہر گئی۔ ڈاکٹر صاحب برآمدے سے نیچے کھڑے تھے۔

''اندر آجایئے ڈاکٹر صاحب۔''

''نہیں بیٹا۔ میرا کلینک کا وقت ہو گیا ہے۔ مجھے صرف یہ بتاؤ کہ گھر پر کون بیمار ہے؟''

میں نے اثیر کے متعلق تفصیل سے بات کی۔

''رات میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی مجھے بتا رہا ہے کہ قدسیہ کے گھر میں خیر نہیں، تم علاج کرو۔''

''کل تم اثیر کو لے کر کلینک آجانا۔ میں مشین میں اس کا تھوک لگا کر دیکھوں گا اور پھر دوائی بھی درست ہو جائے گی۔''

ہم بچے کو لے کر موہنی روڈ ڈاکٹر صاحب کے کلینک پہنچے۔ وہ گویا منتظر بیٹھے تھے۔ ہمیں ذرا انتظار نہ کرایا، اپنے دفتر میں لے گئے۔

میں نے ایسی کوئی ہومیو پیتھک مشین یا ٹیسٹ پہلے نہ دیکھا تھا۔ اس پر گول دائرے میں دوائیوں کے ... تھے۔ مریض کا لعاب مشین پر رکھ کر اسے آن کر دیا جاتا۔ جلد ہی ایسے ٹیسٹ کے بعد ڈاکٹر احمد خاں نے کہا: ''... بگڑا ہوا ملیریا ہے جس سے جگر متاثر ہو گیا ہے۔ چائنا دینا پڑے گا اور وہ بھی باقاعدگی سے۔''

علاج شروع ہو گیا۔ بخار ٹوٹ گیا لیکن اثیر ایک اور مشکل میں پھنس گیا۔ اس کے پرچے اچھے نہ ہوئے ... پانچویں جماعت میں رہ گیا۔ اسے اپنی بیماری سے زیادہ فیل ہو جانے کا رنج تھا۔ اس کے بعد اس کا سکول تبدیل ... اسے چھٹی جماعت میں داخل کرایا گیا لیکن پڑھائی میں کمزوری کا دھچکا اس کے ساتھ رہا۔

خاں صاحب کو ریلیجس بک سوسائٹی کے سامنے کتابیں بیچنے والے نے ایک ٹوٹکا بتایا..... ''خاں صاحب ... کبھی کوئی آپ کے گھر میں بیمار پڑ جائے تو کچھ سرخے خرید کر کچھ دن پنجرے میں رکھ کر اڑا دیں۔ جب گھر کے ... سرخ پسند آ جائیں تو پھر یہ سرخے آزاد کر دیں۔''

اس روز خاں صاحب نے کتابیں نہ خریدیں بلکہ سرخے خرید کر گھر آ گئے۔ پرندوں سے گہرے تعلق کو ... راستہ مل گیا۔ سرخے پالنے اور پھر ان کو راہِ فرار دکھاتے وقت سب سے زیادہ رنج اشفاق صاحب کو ہوتا۔ خاں صاحب ... اپنی ایک تحریر انیس کے بیٹے بلال کو مخاطب کر کے لکھی ہے۔ اس میں سرخوں سے متعلق ان کے جذبات کا ذکر ہے۔

خاں صاحب کی باتوں سے متاثر ہو کر ثویلہ نے بھی ایک سُرخا پال لیا لیکن اس سے بلال خاں کچھ ایسا ... گیا کہ اسے چھوڑنے کی جرأت ماں باپ نہ کر سکے۔ اس واردات کو خاں صاحب کی تحریر میں پڑھیے۔

سُرخا

زندگی کا مزاج بھی بڑا شاہی مزاج ہے۔ آپ اس کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کر سکتے ...

بارے میں یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ دشنام ملے گی یا خلعت عطا ہوگی۔ رکنے کا عمل ہوگا یا چلنے کا۔ دکھ ہوگا یا

میں زندگی اتنی بڑی ہے کہ اس کے سامنے رُخ رجحان، عمل نقل، ارادے تجویزیں اس کی ذیل میں آ جاتی ندی ہوئی ہیران سب کے اوپر سے گزر جاتی ہے۔ یہ واقعہ کوئی ایسا غیر معمولی نہیں اور نہ اس کا زندگی کے کوئی گہرا تعلق ہے لیکن چونکہ اس نے مجھے حد درجہ متاثر کیا ہے اس لیے میں یہ آپ کو سنانے پر مجبور ہو گیا

یہ بات ہے تو بلال کی لیکن اس کا پورے انسان سے تعلق ہے۔ مجھ سے، آپ سے، بلال کے والد سے، اس کی کے ارد گرد بسنے والے سارے انسانوں سے۔

بلال میرے منجھلے بیٹے کا بیٹا ہے اور اس نے حال ہی میں سکول جانا شروع کیا ہے۔ چونکہ سکول میں ابتدائی ایام ہیں اور بلال ابھی تک حصولِ علم پر ٹھیک سے نہیں لگا۔ اس لیے ہمیں اسے طرح طرح کے کی ترغیبیں دے کر سکول بھیجنا پڑتا ہے۔ سب سے اچھی ترغیب اس کی والدہ کی فراہم کردہ ہے جو محراب میں پنجرے کے اندر محفوظ چینی کے کنڈے سے لٹک رہی ہے۔ یہ ایک مُرخا ہے جو باجرے اور چھوٹے چھوٹے کوزوں کے درمیان پھدکتا رہتا ہے اور صبح سویرے بیدار گھر والوں کو اپنی چہکار بھی سنتا

بلال کا کام صبح سویرے اٹھ کر اس پنجرے میں انگلی ڈال کر لال کو ہیلو کہنا ہے۔ پھر آدھے کپڑے بدل کر اس سامنے کھڑے ہو کر سیٹی بجانا اور پھر بھاگ کر باقی کے کپڑے پہننا اور آخر میں سکول جاتے ہوئے مُرخے کو مبارکی سنا کر جانا ہے۔ واپسی پر گاڑی کا دروازہ کھلا چھوڑ کے بھاگ کے مُرخے کے پنجرے کے پاس جانا۔ کرنا۔ اس کے احوال پوچھنا اور اپنا لنچ اٹھا کر اس کے پاس آ کر کھانا اور کوزوں میں چپس اور برگر کے ٹکڑے بھی شامل ہے۔ بلال جب تک گھر پر ہوتا ہے اس کا سارا وقت مُرخے کے پاس گزرتا ہے اور جب نہیں ہوتا تو میں گزرتا ہے۔ جہاں جہاں اس کی ماں اسے ساتھ لے جاتی ہے اور جس جس گھر میں بلال پہنچتا ہے، وہاں فون کر کے اپنے مُرخے کی عافیت ضرور معلوم کرتا ہے اور فون سننے والے کو مُرخے کے بارے میں ہدایات

ایک روز جب وہ سکول سے آیا تو اس کا مُرخا اپنے پنجرے میں کمر کے بل لیٹا تھا۔ دونوں ٹانگیں آسمان کی تھیں اور دونوں پر ادھڑے ہوئے چیتھڑوں کی طرح پنجرے کے فرش سے چپکے تھے۔ بلال نے رو رو کر آسمان دنیا کی کوئی طاقت اس کو چپ کرانے کی اہل نہ تھی۔ گھر کے سب لوگ اپنی اپنی طرز کا زور لگا رہے تھے لیکن نہیں ہوتا تھا اور اس کی فریاد تیز سے تیز تر ہو رہی تھی۔

میں نے پہلے اسے اپنے ساتھ لپٹایا، پھر گود میں اٹھا کر ڈرائنگ روم میں لے گیا۔ ماحول کی تبدیلی سے فائدہ میں نے یقین آمیز لہجے میں کہا "دیکھو بلال! اب جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ مُرخا تمہارا مر گیا۔ اس کا ہم سب کو

افسوس ہے لیکن چلے جانے والے کے لیے یوں تو جان ہلکان نہیں کیا کرتے۔ اللہ نے صبر کا بھی تو حکم دیا ہے اور ہم
حکم ہر حال میں اور ہر رنگ میں تسلیم کرنا ہے۔"

بلال غور سے میرے چہرے کو دیکھنے لگا تو میں نے کہا۔ "اب ہم یوں کریں گے کہ تمہارے اس سرخے کا
جنازہ تیار کریں گے اور اسے دھوم دھام سے دفن کریں گے۔"

وہ میری بات اور غور سے سننے لگا تو میں نے کہا "میرے پاس ایک چھوٹا سا ریشم کا رومال ہے جس پر
نرگس کا پھول بنا ہوا ہے۔ ہم سرخے کو اس ریشمی کفن میں لپیٹیں گے اور تمہاری امی سے بینت کا وہ خوبصورت ڈبہ لیں
جو اس کی سنگار میز پر رکھا ہے۔ اس کو ہم سرخے کا تابوت بنائیں گے۔ اس کے بعد گھر کے سارے لوگ اور تم
سارے دوست اور سارے ملازم بڑی دھوم دھام سے یہ جنازہ لے کر سامنے باغ میں جائیں گے۔ وہاں ہم نیم کے
تلے اس کی قبر بنائیں گے اور سرخے کو دفن کرنے سے پہلے ہم سب مل کر اس کا مرثیہ پڑھیں گے۔ پھر تم لوگ اس کی یاد
میں تقریریں کرو گے اور ہم بگل بجا کر اس کا تابوت قبر میں اتاریں گے۔"

بلال نے کہا "دادا ابا! ہم اس کو نیم کے پیڑ تلے دفن نہیں کریں گے۔ سمبل کے درخت نیچے کریں گے
درخت زیادہ خوبصورت ہے اور بہت بڑا ہے۔"

میں نے کہا "بالکل ٹھیک ہے، سمبل کا درخت بہتر رہے گا اور جب ہم اسے دفن کر کے گھر جائیں گے
ہی اس کا سوئم کریں گے۔"

بلال نے میری بات کاٹ کر کہا "سوئم اسی دن تھوڑی ہوتا ہے دادا ابا۔ وہ تو تیسرے روز ہوتا ہے۔"

میں نے کہا "ہم اس کا سوئم اسی روز اور اسی وقت کریں گے کیونکہ تمہارے دوست روز روز کیسے آئیں گے

بلال نے خوش ہو کر کہا "بالکل ٹھیک ہے۔"

پھر میں نے کہا "سرخے کے سوئم پر میں تمہارے دوستوں کے لیے آئس کریم اور پیسٹری منگواؤں گا۔

بلال نے بات کاٹ کر کہا "اور برگر بھی دادا ابا۔"

میں نے کہا "کیوں نہیں برگر بھی۔"

بلال نے کہا "میرے لیے پائن ایپل جوس اور میرے دوستوں کے لیے مینگو جوس۔"

میں نے کہا "بالکل ٹھیک ہے۔"

"اور شام کو ہم میوزیکل چیئرز بھی کھیلیں گے۔"

میں نے کہا "بالکل ٹھیک ہے اور جب ہم سوئم سے فارغ ہو جائیں گے تو میں تم سب کو اپنے ڈبے میں
جوائے لینڈ لے جاؤں گا۔"

بلال نے جوش میں آ کر تالی بجائی۔ صوفے سے اٹھ کر تین چار مرتبہ قالین پر اچھلا اور میرا ہاتھ کھینچنے لگا۔

میں ابھی اٹھ ہی رہا تھا کہ ساتھ والے برآمدے میں کچھ گڑبڑ ہوئی اور مجھے مالی کی آواز سنائی

دونوں بھاگ کر برآمدے میں گئے تو ہمارے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ پنجرے کے اندر ہمارا پیارا سرخا خاموش

...ـف پھنس گئے تھے۔ سائنسی اور عقلی نکتہ نظر لے کر ڈیرے پر آئے تھے۔ قلبی اور وجدانی علم نافع کی نذر ہو ...ے عرصہ قول سے وابستہ بننے کے مقام پر رہے۔ پھر ماننے کی صورتحال پیدا ہوئی۔ باباجی نور والے فرمایا کرتے ...صاحب! یہ ہمارے ڈاکٹر اشرف فاضلی بڑے جگرے دل کے آدمی تھے۔ بڑی مشکل سے مانے ہیں۔"

...ی کی صحبت ان کے قول سے فعل تک مطابقت ایک مدت بعد ڈاکٹر فاضلی میں پیدا ہوئی۔ اسی میل جول نے ...ے چلے جانے کے بعد "تفسیر فاضلی" کا روپ دھار لیا۔ مجھے فقط اتنی بات اس قیام میں سمجھ میں آئی کہ کسی نہ ...یت پہلے ملتی ہے، کسب بعد میں ہاتھ لگتا ہے۔ ہر ڈاکٹر ایک مدت پڑھتا چلا جاتا ہے۔ پھر مریضوں تک اس کی ...تی ہے۔

...ت، لوہار، کسان، صنعت و حرفت کے تمام شعبے، فنون لطیفہ کے سارے امکانات کبھی اعلانیہ، کبھی گپ چپ، ...کبھی نظر نواز سے دیر تک زیر تربیت رہتے ہیں۔ پھر ان کی پریکٹس شروع ہوتی ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کی حکمت ...ے تحت زندگی مختلف شقوں، ترتیبوں اور جہتوں سے تشکیل دیتا رہتا ہے۔ خاں صاحب کو بھی علم نہ ہو سکا ...ں کے ڈیرے سے ہو کر واصف علی واصف، نجی رازی اور کئی دوسرے، سب انہیں زاویئے کے لیے تیار کرتے ...ـے مشاہدے نے کہانیوں کا سٹور ہاؤس، Anecdotes کی انتھالوجی، واقعاتی مواد Archives کی شکل ...ـے محفوظ تھا لیکن انہیں علم نافع بنانے کا سارا علم اور تربیت انہیں بابوں سے ہی نصیب ہوئی۔ تربیت، عادت ...ـے کرنے میں ایک مدت لگتی ہے۔

...خاں صاحب کی اس وقت کی حالت کا بیان ہے جب ابتدائی دور پنڈولم کا سفر تھا۔ کبھی خاں صاحب شانت ...کبھی عجیب قسم کے تذبذب میں چلے جاتے جیسے وہ ہر وقت موجود اور ناموجود کے درمیان رہتے۔ کبھی انہیں شبہ ...ا ہے پہلے بھی ہوتا رہا ہے۔ خواب ہے۔ وہ جاگیں گے تو شعوری زندگی پھر بامعنی ہو جائے گی۔ کبھی سوچتے ...ے واصل ہو چکے ہیں۔ ان دنوں اردو سائنس بورڈ میں بہت کام ہو رہا تھا۔ دھڑا دھڑ کتابیں ترجمہ، تالیف اور ...ی تھیں۔

...ے کا دفتر، فائلیں، میٹنگیں، دفتر سے لانے لے جانے والی کار کے پھیرے، کار کا دروازہ کھولنے والے ...ے، پھر پورچ سے دفتر کی کرسی تک پہنچانے والے افسری اہمیت جگانے والے کلرک، سیکرٹری، سپرنٹنڈنٹ، ...ـنے والی نفری، دفتری کائنات کے چھوٹے بڑے پرزے بے وقعت نہیں تھے۔ یہ سارے ایک بڑی مشینری ...تھے۔

...ی ساری مشغولیت میں خاں صاحب کا اپنا وجود، ان کا انداز نشست و برخاست، بھاگم دوڑ، چھوٹی ...تنگیاں، تبدیلیوں سے پیدا ہونے والی تگ و دو۔ مصیبت یہ تھی کہ وہ اندر کی بات بتانے کے قائل نہ تھے۔ ...عاجزی، ناراضگی، حیرانگی، بددلی، بے دلی انہوں نے دل کے لاکر میں بند کر رکھی تھی۔ دفتری تگ و دو اور اس ...ـے کے پھیرے میرے خیال میں واضح طور پر ان کے لیے انجائنا کا اسباب پیدا کر رہے تھے۔ مجھے فکر رہنے لگی ...ـے چہرے پر کسی بیماری کی چھاپ بھی واضح تھی۔

دراصل ڈیرے سے میری وابستگی عفت کی وجہ سے ہوئی۔

شہاب صاحب کا خاں صاحب سے ملنا جلنا میری شادی سے پہلے کا تھا۔ سن پچاس سے پہلے ہی شہاب 1۔ مزنگ روڈ میں آیا کرتے تھے۔ وہ مفتی جی کی طرح خاں صاحب کے پاس تو نہ ٹھہرتے لیکن اس تاریخی چوبارے میں ان کا پھیرا ضرور رہتا۔ یہاں جدت پسند، شوقو جی نے مٹی کے مٹکے میں پیتل کی ٹوٹنی فٹ کر رکھی تھی اور اسی میں پانی بھرا کرتے تھے۔

شہاب صاحب اسی ٹونٹی کو کھول کر ہاتھ دھوتے، کافی کے رسیا خاں صاحب کیو لیسٹر میں کافی بناتے۔ دوست مزے سے فرش پر بچھی چٹائی یا فرشی بستر پر بیٹھ جاتے اور کافی کی چسکیاں لگاتے۔ تکلفات دراصل تعلقات میں حجاب بن جاتے ہیں۔ جب درمیان میں یہ حجابات نہ ہوں تو کسی کی اصلیت تک پہنچنا آسان ہوتا ہے۔ ان دونوں کو ایک دوسرے پر چڑھے پرت اتارنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ وہ دونوں جلد سمجھ گئے کہ دونوں کے مزاج میں مماثلت ہے جس پر واضح طور پر انگلی نہیں رکھی جاسکتی۔

خاں صاحب کو مفتی جی نیچے پہنچ کر آوازیں دیا کرتے تھے اور اپنی آمد کا ڈنکا بجا دیتے تھے۔ شہاب بھائی نے کبھی آواز دی نہ کسی کے ہاتھ اپنی آمد کی اطلاع دی۔ وہ کسی راہب کی طرح ہولے ہولے اوپر چڑھتے۔ اشفاق صاحب بھی نہ اٹھتے نہ سلام کا نعرہ لگاتے۔ دونوں طرف سے مدہم آوازوں میں سلام اور سلامتی کا پیغام پہنچتا۔ دونوں میں گفتگو جاری رہتی۔ پھر بلا تکلف شہاب بھائی اٹھ کر چلے جاتے۔ خاں صاحب بھی انہیں نیچے تک الوداع کہنے نہ جاتے۔ شہاب صاحب نے کبھی ان کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا نہیں کیا۔ ان کے رویے میں یہ دونوں باتیں پنہاں تھیں۔

1۔ مزنگ روڈ کے اشفاقی چوبارے میں کوئی صوفہ کاؤچ نہیں تھا۔ پھر بھی ملنے والوں کی ریل پیل رہتی۔ دیال سنگھ میں ان سے پڑھنے والے طالب علم، ساتھ پڑھانے والے پروفیسر جن میں جناب غلام علی خاص طور پر شامل ہیں۔ ریڈیو سٹیشن کے آرٹسٹ، کافی ہاؤس کے ملاقاتی ادیب آتے رہتے۔

جب کوئی ملنے والا اپنی عینک، رومال یا چابیاں اوپر بھول جاتا تو نیچے پہنچ کر خاں صاحب کو آواز دیتا۔ خاں صاحب متعلقہ چیز لے کر نیچے نہ جاتے۔ کوٹھے سے چیز کو پھینک دیتے اور متعلقہ چیز مالک بڑی اچھی فیلڈنگ کا ثبوت دیتے ہوئے کیچ کر لیتا۔

جب ہم 479۔ این شفٹ ہوئے تو ہمارے حساب سے یہ گھر کافی کھلا ڈلا تھا۔ اس میں مہمان رکھنے کی گنجائش تھی۔ شہاب آتے جاتے رہے لیکن طعام کے علاوہ انہوں نے کبھی قیام نہ کیا۔ اس گھر میں عفت کبھی کبھی ساتھ آتی لیکن وہ ان دنوں اپنی بڑی بہن جمیلہ اور کبھی اپنی چھوٹی بہن کشور حبیب کے پاس رہتی تھی۔ وہ اپنی مسکراہٹ اور حس کے بدولت انسانی مدافعت کی سرحدیں توڑنے کی عادی تھی۔

خاں صاحب کی طرح اس میں کھل جا سم سم قسم کا جادو تھا۔ وہ جلد ہی ملنے والے کو at ease کر دیتی۔ موڑھوں پر بیٹھ کر وہ ہمارے ساتھ باورچی خانے میں آلو کی پوریاں، تازہ تازہ پھلکے، سادہ سالن یوں کھاتی گویا ... ہو۔ جب صدر ایوب کا دور دورہ تھا۔ ان دنوں شہاب صاحب کی جنرل یحییٰ خاں سے ان بن ہوگئی اور انہیں ایبٹ آباد

گئے۔ اسی لیے 75۔جی اور 36۔جی میں ان سے رابطہ ٹوٹ گیا۔

جب 121۔سی میں ہمارا قیام ہوا تو شہاب صاحب واپس اسلام آباد آ چکے تھے۔ عموماً وہ داستان سرائے میں اوپر کاسنی کمرے میں ہی ٹھہرتے۔ میری ان سے ملاقاتیں سرسری تھیں۔ ناشتے کی میز پر وہ شوق سے پراٹھے کھاتے۔ پھر خاں صاحب کے ساتھ دفتر روانہ ہو جاتے۔

قدسیہ! میں اشفاق کے دفتر میں اوپر والے کمرے میں بیٹھ کر خط لکھ لیتا ہوں۔ اخبار بھی توجہ سے پڑھی جاتی ہے۔ یہ روپوش اور اشفاق علی خاں سے ملاقات کا سبب بن جاتا ہے۔ کبھی کبھی عفت بھی ساتھ ہوتی لیکن ان دنوں ہمارے پاس نہ ٹھہرتی۔ وہ شہاب صاحب کے بڑے بھائی کی بیٹی ثریا شہاب کے گھر قیام کرتی۔

ہم عفت اور شہاب صاحب کے اندرونی حالات سے واقف نہ تھی۔ عفت تب لندن میں اپنے بھتیجے ڈاکٹر کے پاس بیمار ہو کر پہنچی اور تب بیماری اسلام آباد واپس آئی۔ مجھے اتنی خبر تھی کہ عفت کے گردے جواب دے چکے اور ڈاکٹروں نے مختلف نوعیت کے نتائج نکالے۔ کسی نے کہا دماغ کا کوئی Gland فنکشن نہیں کر رہا۔ کسی کو ہڈی میں نقص نظر آیا۔

آخر آخر میں سپیشلسٹ کے ایک گروپ نے حتمی فیصلہ سنایا کہ سارا عذاب گردوں کا ہے۔ انہوں نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ ڈاکٹروں کے نزدیک یہ مرض لاعلاج تھا۔ ہفتے میں ایک دن اس کا Dialysis ہوتا تھا۔ اسے ہسپتال میں لٹایا جاتا۔ وہاں پانی کی بوتلیں اسی طرح لگائی جاتیں جیسے عام طور پر لہو کی بوتلیں لگتی ہیں۔ گردے دھوئے جاتے، یوں کہ دھو دیا جاتا۔ ان آلائشوں کے نکل جانے کے بعد ہفتہ بھر شانتی رہتی۔ پھر وہی Dialysis وہی دھویا دھلایا۔ عفت کئی سالوں سے ڈاکٹروں کا چوپائی رہی جس پر تجربات کیے جاتے ہیں۔

ہر قسم کی بلڈ رپورٹ

ہر قسم کا ایکس رے

ہر طرح کی کیس ہسٹری

اور ان سب کے بعد ایک بڑا سا سوالیہ نشان۔۔۔ ابہام کا دائرہ ..... سائنس کی بیچارگی۔ انسان کا سائنسی علم اپنے غرور اور Precision کے باوجود کتنا محدود اور مجبور تھا۔ کچھ بھی حتمی نہ تھا۔ جو تھیوری آج جوان ہوتی ..... نئے علم کے ہاتھوں کچھ عرصہ بعد ٹوٹی ہوئی بیساکھی بن جاتی ہے۔ پہلے ماں کا دودھ چھڑا کر بچوں کو بوتل پر لگایا گیا۔ پھر سائنس نے ثابت کیا کہ ماں کے دودھ میں کچھ ایسے اجزا ہوتے ہیں جن سے بچہ بیماری سے محفوظ رہتا ہے۔ دوبارہ بچے کو سینے سے لگا کر دودھ پلانے کی تحریک جاری ہو گئی۔ انسان کیا مانے اور کہاں تک مانے؟

کیا خدا اور سائنس میں مقابلہ تھا کہ مناہمت ..... کیا یہ دونوں رقیب تھے کہ محبّ؟ سائنس تو پھر نظر آتی تھی لیکن خدا کو انسان کیسے مان لے؟

کیا ضعیف الاعتقادی جہاں سے شروع ہوتی ہے وہاں سے ایک نئے علم کا آغاز ہو سکتا ہے۔ ایسے لوگ جو جانتے ہیں کس Frequency پر کون سی web-site پر انفرمیشن لیتے ہیں۔ اوپر والے بڑے کل کے علم میں کتنے

ان جانے جز و تھے جن تک ہماری رسائی ان ہی بابوں کے وسیلوں سے ممکن ہے یا ایسے تھے کہ بابے بھی روحانیت میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے تھے؟

ایک روز خاں صاحب شہاب بھائی کو ایئرپورٹ سے سیدھا ہمارے گھر لے آئے۔ عفت ہمیشہ خوش ملتی رہی تھی۔ اس بار بھی اس نے بہادری کا مظاہرہ کیا لیکن ڈیڑھ فٹ اونچے برآمدے تک وہ چڑھ نہ سکی۔ میں نے اٹھا کر برآمدے میں کھڑا کیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا گویا کسی دس بارہ برس کی بچی کو اٹھا کر کھڑا کیا ہو۔ ان کا وزن بہت تھا۔ رنگ ہلدی مائل، ناک کا بانسہ ذرا سا ٹیڑھا، آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔ ہمیشہ کی طرح اس نے ''اے ہے میں نے اپنے اندر چھپی ہوئی قدسیہ کو باہر نکالا۔ ہم گلے ملیں لیکن اس کی جپھی میں زور نہ تھا، آواز میں ترانہ نہ گونجا، تانانا توم توم بن کر کھنکتا رہا تھا۔ ہم دونوں نے ایسے ظاہر کیا جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ اس بار عفت بھی اپنے اندر گھس

''میں اب تمہیں کہیں نہیں جانے دوں گی عفت۔ نہ جمیلہ کے پاس نہ کشور کے پاس۔ تمہاری بہنیں جائیں، مجھے پروا نہیں۔''

''اور اقبال شہاب کے پاس وہاں تو جانے دوگی ناں؟'' اس نے خوشدلی سے پوچھا۔

''کبھی نہیں..... اور کہیں نہیں۔''

''عفت ہمارے پاس رہے گی قدسیہ۔ اسے باباجی نور والوں کے پاس لے جانا ہے۔''

میں نے خاں صاحب کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ مجھے عفت کی بیماری کی سنجیدگی سے کوئی علم نہ تھا۔ صاحب نے وضاحت کی نہ خاں صاحب نے کوئی انفرمیشن فیڈ کی۔ شہاب صاحب دو چار دن کاسی کمرے میں پھر اسلام آباد چلے گئے۔ عفت ہمارے پاس رہ گئی۔ وہ سارا دن کاسی کمرے میں گزارتی لیکن جونہی بچے آجاتے کے کمرے میں چلی جاتی۔ کبھی نوکی میاں کو کیمسٹری پڑھاتی، کبھی ... لے سے باتیں کرتی، کبھی چیری کو ساتھ لٹا لیتی۔

وہ میرے بیڈ روم میں شاذ ہی آتی تھی۔ بس ہم دونوں برآمدے میں دھری مشین کے آس پاس باور میں دالان میں بیٹھ کر باتیں کیا کرتے۔ اس نے کبھی اپنی بیماری کی تفصیلات، اپنی تکالیف کا کچا چٹھا بیان نہ کیا۔ اسی دوران خاں صاحب مجھے اور عفت کو باباجی نور والے کے پاس لے گئے۔

جس روز ہمیں ڈیرے پاک پر جانا تھا خاں صاحب باورچی خانے میں تشریف لائے۔ گیارہ بجے تھے دونوں بچے اپنی اپنی سائیکل پر سکول جا چکے تھے۔ گھر معمول کے مطابق پُرسکون تھا۔ عفت پوری تیار خاں صاحب کے پیچھے سے جھانک رہی تھی۔ خاں صاحب نے کہا ''قدسیہ! اب کام جیونی رمضان پر چھوڑو، ہم ڈیرہ پاک جارہے ہیں۔''

جب خاں صاحب عفت اور مجھے لے کر پہنچے تو اس وقت سدا سہاگنیں ڈیرے کے باورچی خانے کے سامنے ناچ رہی تھیں۔ یہ مرد حضرات کی ایسی ملامتی ٹولی تھی جو عورتوں کے لباس میں ملبوس بڑی بڑی نتھ ناک میں ڈالے نکالے اپنے روٹھے یار کو ناچ ناچ کر منانے میں مشغول تھیں۔ خاں صاحب کو اس وقت علم نہ تھا کہ عفت کا علاج کیسے ممکن ہوگا۔

اس کی Mechanics کیا ہوگی۔ علاج بالغذا کا کیا طریقہ ہے اور کس طرح اس کے کوائف پتہ

بہت بعد میں عفت نے مجھے بتایا کہ وہ اس وقت سدا سہاگنوں کو ناچتے دیکھ کر ڈیرے کے علاج بالغذا سے مایوس ہو چکی تھی ...ں پتہ نہیں کیوں وہ لوٹ نہ سکی اور اپنے آپ کو باباجی کے حوالے کر دیا۔

حسب معمول ڈیرے پر لوگوں کی بھیڑ سی تھی۔ چھوٹی سی پٹڑی پر لوگ آ جا رہے تھے۔ بائیں ہاتھ کچھ لوگ مٹی کے لیے وضو کر رہے تھے۔ باباجی اپنے تخت پوش پر بیٹھے تھے۔ سہاگنوں کا طائفہ جو حضرت میاں میرؒ کے عرس پر ...نے آیا تھا، وہاں سے باباجی کا سن کر ادھر آ نکلا۔

سب نے عورتوں جیسے رنگدار بھڑکیلے لباس پہن رکھے تھے۔ سر پر خوبصورت دوپٹے تھے۔ چہروں پر داڑھیاں تھیں۔ ...روں کے ناک بھی چھدے ہوئے تھے اور چھوٹی بڑی نتھنیاں چہرے پر سجی تھیں۔ ان کے ناچنے کے انداز میں ...وٹ، بے حیائی یا دلنوازی نہ تھی۔ وہ مخنث طائفوں کی یاد بھی نہ دلاتے تھے جو شادی بیاہ کے موقع پر ''جیوے ...یے سہرے گانے کے لیے ڈفلی تاشے کے ساتھ آ جایا کرتے ہیں۔

ڈھول کا ارتعاش، سدا سہاگنوں کے گھنگھروؤں کی آواز فضا میں جادوئی ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔ سدا سہاگنیں ...قہ ملامتیہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ وہ اپنی انا کی سوجن کوٹ کوٹ کر چھوٹی کر رہے تھے۔ جوان توانا مرد عورت کی سی ...ی فروتنی اور بے بسی سے یار کو منانے میں مصروف تھے۔ انہیں یہ علم بھی نہ تھا کہ انہیں کوئی دیکھ رہا ہے۔ عفت نے بابا کے قریب ہو کر پوچھا۔ ''باباجی اس کا فائدہ؟''

خان صاحب غالباً باباجی سے عفت کی بیماری کا ذکر کر چکے تھے۔ آہستہ سے یاددہانی کے طور پر بولے۔

''باباجی یہ ڈاکٹر عفت ہیں۔ شہاب صاحب کی بیگم صاحبہ۔''

''چلو چلو پُت ...... ان کو پیچھے لے چلو۔ سب خیراں ہیں۔ بیٹا سبّے خیراں۔''

پہلی نظر میں ہی باباجی نے عفت کو مکمل طور پر اپنا لیا۔ اتنی دیر ہالینڈ، لندن میں رہنے والی ڈاکٹر عفت اندر ہی ...سوچ رہی تھی کہ میرے علم میں تو ایسے لوگوں کا کہیں ذکر نہیں۔ کیا واقعی یہ سب جہالت ہے۔ کیا انسانی روح کی کوئی ایسی ...ت ہے جہاں دنیاوی علم بیکار ہو جاتا ہے؟ کتاب کا علم گفت و شنید کا علم ...... تجربات کا علم۔

بابا جلال ہمیں تہہ خانے والی کوٹھڑی میں لے گیا۔ یہ نشیبی کمرہ کچی اینٹوں سے بنا تھا۔ اس کی چھت پر پرانے ...ے اور پھوس کی چھت تھی۔ طاقچوں میں باسی ہار اور تیل سے بنے دھوئیں سے میلے دیئے تھے۔

فرش پر صف بچھی تھی اور پشت ٹیکنے والی دیوار پر سرکنڈوں کی چقیں تھیں۔ عفت کے چہرے پر تھکاوٹ تھی اور ...ی حس اس کا ساتھ چھوڑ گئی تھی۔ غالباً وہ اپنی روشن خیالی اور تعلیم کے پیش نظر بڑے شبہات میں گھری ہوئی تھی۔

آہستہ سے عفت بولی ''انسان اپنی مشکلات کے سامنے کتنا بے بس ہے؟ ہم اپنی ضروریات کے سامنے کیا کیا ...تے نہیں کر لیتے۔ میں نے اپنی صحت کی خاطر وہ سائنسی نظریات بھی چھوڑ دیئے جن پر میرا اگلی اعتماد تھا۔ میں نے بھی ...یم کے ناطے کیسے کیسے لات و منات پال رکھے تھے؟ کیا وہ بت جھوٹے تھے اشفاق بھائی! کہ میری ضرورت کی بے ...بی تھی کہ اس کی خاطر میں کچھ بھی کر سکتی تھی۔ کچھ بھی کر سکتی ہوں۔''

پھر وہ گاؤ تکیے کا سہارا لے کر قریباً نیم دراز حالت میں بیٹھ گئی۔

خاموشی کا ایک لمبا وقفہ کوٹھڑی میں ابابیل کی طرح چکر لگانے لگا۔

''اشفاق بھائی..... میں نے رات باباجی کو خواب میں دیکھا تھا۔ وہ مجھے بتانے لگے، آپ کو پتہ نہیں سمجھانا بھی آئے گا کہ نہیں۔''

''ہاں ہاں ٹرائے کرو..... میں زیادہ کودن نہیں ہیں۔'' خاں صاحب بولے۔

''باباجی نے میرے خواب میں فرمایا۔ مجھے ..... یوں لگتا ہے کہ سارا انگلستان بالآخر ہندو ہو جائے گا۔ ہرے راما ہرے کرشنا کی صدائیں گونجیں گی۔ ہر حرف کھڑتالیں بجیں گی۔ گھنٹیوں کی صدائیں آئیں گی۔ گرجا گھر میں بدل جائیں گے۔ سفید فام لوگ بال منڈوا کر لمبی لمبی بودیاں پال کر گلے میں جنیو پہن کر قشقے کھینچے کھڑتالیں وان دکشنا مانگتے پھریں گے۔ لندن کے گھروں میں گھر گھر گائے بندھی ہوگی۔ انگریز لڑکیاں کیسری ساڑھیاں پہنے میں دیپ لیے بڑے بڑے گرجوں کی طرف جائیں گی۔ جہاں حضرت عیسیٰ کی بھی مورتی بن جائے گی۔ وہاں آرتی جائے گی۔ بھجن گائے جائیں گے۔ بس خواب تو اتنا ہے لیکن مجھ میں بڑی تبدیلی آگئی ہے۔''

خاں صاحب مسکرائے..... ''تبدیلی تو آتی رہتی ہے عفت۔ تبدیلی ارتقاء کا ایک ضروری عنصر ہے۔''

''تبدیلی پتہ نہیں کیوں آتی ہے اشفاق بھائی؟'' عفت ایسی فلسفیانہ باتیں کرنے کی عادی نہ تھی۔ پ نشینی کا اثر تھا کہ سدا سہاگنوں نے سوچ کی کوئی رنگ پچکاری فضا میں چھوڑ دی تھی۔

''پتہ ہے اشفاق بھائی! عموماً تبدیلی نفرت سے جنم لیتی ہے۔ جب کسی انسان، معاشرے، کسی رسم اعتقاد سے نفرت کی جاتی ہے تو یہی نفرت ہمارا مقدر ہو جاتی ہے۔ اس نفرت کی یہ سزا ہے کہ ہم میں بڑی تبدیلی آجاتی ہم جس انسان، معاشرے، مسلک سے نفرت کرتے ہیں، اسی میں ڈھل جائیں۔ نفرت کی سزا ہمیں اسی طرح ملتی سرتاپا ہم اس جیسے ہو جاتے ہیں جس سے ہم نفرت کرتے ہیں۔ میں سوچتی رہی ہوں کہ انگریز جب شروع شروع ہندوستان میں آئے اور ہندو دھرم کے مرتکب ہوئے تھے، ان کی بت پرستی، رسم و رواج سے چڑتے تھے۔ مجھے شہاب نے کہا تھا کہ اشرف علی تھانوی کہا کرتے تھے کسی کا مسلک چھیڑو نہیں اور اپنا مسلک چھوڑو نہیں۔ Liberalism ہے۔ اللہ ہماری نفرتوں کی سزا اسی طرح دیا کرتا ہے۔ ہمیں نفرت سے محبت کرنے کی یہی سزا ملتی تبدیلی اسی طرح آتی ہے۔''

عفت ہم سے بات نہیں کر رہی تھی۔ وہ خود کلامی میں مشغول تھی۔ وہ یہ بتانے کی کوشش کر رہی تھی کہ ڈیرے جیسی جگہ سے کیسی نفرت تھی، وہی نفرت اب محبت میں بدل رہی تھی۔

اور شاید امریکہ میں بالآخر اسلام ہی حاوی ہو جائے گا۔ شاید سفید فام فرقوں کو ان کی اس نفرت کی سزا ملتی رہے گی جو وہ مسلمانوں سے کرتے ہیں۔ میں نے سوچا۔

عیسائیت جو محبت کا پرچار کرتی ہے۔ اس کے پیروکاروں نے جس قدر نفرت سیاہ فام لوگوں سے کی ساری دنیا جانتی ہے..... حضرت بلالؓ ہر طرح کا ظلم و تشدد برداشت کرتے رہے ہیں۔ کیا جنگل کاٹنے والے بنانے والے، امریکہ کو موسیقی سکھانے والوں سیاہ فام افریقی لوگوں سے نفرت کا بدلہ نہ لیا جائے گا؟

کیا حواس خمسہ کی لاٹھی ٹیکے بغیر، عقل کی بیساکھی چھوڑ کر اللہ کا تجربہ کیا جا سکتا ہے؟

اس وقت بابا جلال داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں خمیری روٹیوں سے لدا چھابا کٹوروں میں شلغم کا شوربہ تھا۔ اس نے قرینے سے سب کچھ لگا دیا۔

''کھاؤ بابا جی..... بسم اللہ کرو، دیکھو حال پر کیا عطا ہو رہا ہے۔'' بابا جلال نے پُر تپاک لہجے میں کہا۔

خان صاحب نے بلا چون و چرا کھانا شروع کر دیا۔ اس وقت امریکن نژاد شمس اندر آیا۔ وہ ہم سے کچھ دور بیٹھ گیا۔ جلال نے اس کے آگے کٹورہ اور روٹی رکھ دی اور وہ خاموشی سے کھانے لگا۔ شمس نے سفید شلوار قمیض پہن رکھی تھی جو دراز قد پر بہت سج رہی تھی۔ اس کے پیروں میں کھڑاویں اور گلے میں گیندے کا ہار تھا۔ عفت کو پہلے ہی دن سدا کے بعد دوسرا دھچکا شمس کا لگا۔

''اس وقت تو میں شوربہ روٹی نہیں کھا سکتی پلیز، ابھی تو ناشتہ کیا ہے۔'' بابا جلال کے پیش نظر عفت نے انگریزی میں خان صاحب سے کہا۔

''نعمتوں میں سے کچھ اٹھا لینا چاہیے ورنہ کفران نعمت ہوتا ہے۔'' خان صاحب نے انگریزی میں عفت سے

''کھاؤ جی کھاؤ، بسم اللہ۔'' بابا جلال نے پھر کہا۔

بابا جلال سکون بھری مسکراہٹ کے ساتھ قرینے سے چیزیں لگانے میں مصروف تھا۔

''آپ کو بڑی تکلیف ہوتی ہوگی۔ اتنے سارے لوگ آتے جاتے ہیں۔ بڑی مصیبت ہے۔'' عفت نے اس سے کہا۔

''ناں بیٹا جی مصیبت نہیں۔ ہمارے بابا جی نور والے فرماتے ہیں۔ نماز کی قضا ہے پر خدمت کی کوئی قضا

ہم تینوں کو انگریزی بولتے دیکھ کر شمس ہماری طرف متوجہ ہو گیا۔

کھانا کھانے کے بعد اول چائے آ گئی۔ بیکری چھال کی سوندھی سوندھی خوشبو کے ساتھ کمرہ مہکنے لگا۔

بابا جلال اپنی خدمت کے دوران بابا جی نور والے کے زریں اقوال بیان کرتا رہا۔ ہماری تواضع میں طعام بھی تھا اور ذکر بھی۔ شمس اٹھ کر ہمارے پاس آ گیا..... ''میں فارسی بھی سمجھ لیتا ہوں اور بول بھی لیتا ہوں لیکن اردو اور پنجابی ابھی سیکھی نہیں اور صوفیائے کرام کا جو خزانہ اس دھرتی میں دفن ہے اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔''

شمس دبلا پتلا دراز قد امریکن تھا۔ اس کے مسلمان ہونے کی داستان بھی بڑی دلچسپ تھی۔ وہ قونیہ میں رہا۔ کئی اولیائے کے مزار پر بھی حاضری دیتا رہا لیکن نور والوں کے ڈیرے پر آ کر وہ مسلمان ہو گیا۔

''میں یہاں آیا کرتا تھا۔ بابا جی بس ایک ہی بات پر زور دیتے تھے کہ میل جول رکھو۔ بابا جی کبھی قول سے مجھے قائل نہیں کرتے تھے۔ وہ فرماتے بھئی مثال دیکھ کر ڈیرے کی زندگی میں رچ بس کر خود ہی کچھ تبدیلیاں آ جائیں گی۔ صوفیا تبلیغ نہیں کرتے، متاثر کرتے ہیں۔ جس روز میں نے مسلمان ہونے کی خواہش ظاہر کی تو بابا جی فرطِ جذبات سے مغلوب

ہوگئے۔ گویا اپنی حیثیت سے بڑھ کر اعزاز ان پر تھوپا گیا ہو۔ باباجی نے دونوں بازو اٹھا کر فرمایا ''ناں جانی جان بھائی ناں...... یہ بڑا کام ہے...... یہ مسجد میں ہوگا...... ہم مجذوب لوگ۔ یہاں یہ کام نہیں ہوتا۔'' ڈاکٹر اشرف فاضل گیا۔ شمس کا Jenkins امریکن نام بدل کر باباجی نے وضو کرایا اور شمس کو مسجد بھیج دیا جہاں مولوی صاحب نے اسے مشرف بہ اسلام کیا۔

شمس امریکی انگریزی بولتا بولتا چپ ہوگیا۔ جب بھی وہ جذبات سے مغلوب ہو کر بات کرتا اس کی گردن کی لوئیں سرخا سرخ ہو جاتیں۔ سبزی مائل نیلی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگتے۔ جب بھی وہ اندر کے احساسات کی کرتا اس کی آنکھیں، ہونٹ، نتھنے تاثیر میں بھیگ بھیگ جاتے اور یوں لگتا کہ اس کی گفتگو دراصل اس کی آنکھوں اور ہونٹوں میں تشکیل پا رہی ہے۔ عفت نے ابھی تک کھانے کو ہاتھ نہ لگایا تھا۔

''کھائیے... شاید میں مخل ہوا ہوں۔'' شمس نے اصرار کیا۔

''جی مجھے بھوک نہیں۔'' عفت بولی۔

عفت نے پنجابی میں خاں صاحب سے کہا ''کل رات اشفاق! بھائی زیرو کا بلب میرے کمرے میں تھا۔ سارے کمرے میں کاسنی روشنی پھیلی تھی۔ باباجی کے بعد یہ شمس بھی میرے کمرے میں آیا۔ اس نے مجھے بتایا کس طرح براڈلاف میں ایک لڑکی نے اس کے سینے پر مکے مار کر کہا تھا کہ اسلام ایسا مذہب نہیں جس پر تو جدید دنیا چلے جس نبی نے اتنی ازواج کا دل توڑا ہو..... جہاد بھی کیے ہوں..... اتنا سخت پروگرام دنیا کو پیش کیا ہو تم اس کو چاہتے ہو۔

شمس نے بی جی کو ٹھنڈا کرنے کے لیے کہا کہ میرے لیے اپنے سے مخالف رائے بہت اہمیت رکھتی ہے بھی سمجھنا ضروری ہے۔ Ideas are not for ever۔ یہ شمس کل رات میرے کمرے میں آیا تھا۔ اشفاق بھائی نے مجھ سے یہ ساری باتیں کی تھیں جواب یہ کر رہا ہے۔ پتہ نہیں خواب تھا کہ..... کیا۔''

خاں صاحب نے ہولے سے کہا ''خواب بھی عجب شے ہے عفت۔ کبھی کبھی رویائے صادقہ بھی جاتی ہے۔ یہ کچھ اور طرح کے معاملات ہیں۔ انہیں سائنسی، منطقی، تجزیاتی یا تجرباتی انداز میں سمجھا نہیں جا سکتا۔ ابھی کا علم ناپختہ اور قلیل ہے۔''

یکدم شمس نے کہا ''آپ کچھ میرے متعلق بات کر رہے ہیں..... یہ زبان کا بھی عجب حجاب ہے۔''

ہمارے درمیان کئی قسم کے حجابات تھے۔ نسل، رنگ، جغرافیائی فاصلے، ثقافتی بعد، رسم و رواج، رہن سہن لیکن ان پردوں کے باوجود شمس اپنا ہونے کا احساس دے رہا تھا۔

''کل رات میں نے آپ کا خواب دیکھا..... ہو بہو یہی باتیں..... براڈلاف کا ذکر۔''

اس نے ابرو اٹھائے..... ''واقعی میں براڈلاف سے آیا ہوں۔ میں آپ سے پہلے کبھی نہیں ملا لیکن مجھے ہے..... لگتا ہے جیسے میں آپ سے پہلے بھی مل چکا ہوں۔''

''لیکن میرا خواب تو ہو بہو.....''

شمس نے بڑے عالمانہ انداز میں کہا..... ''جب نیند کا غلبہ ہو جاتا ہے تو اس وقت حواسِ خمسہ ظاہری طور پر تعطل ہو جاتے ہیں۔ جو سفلی، ناسوتی دھواں دن بھر انسان کے گرد رہتا ہے، چھٹنے لگتا ہے۔ ہر انسان مسافر ہے اور جسم کے پنجرے سے نکلنے کی خواہش رکھتا ہے۔ جب نیند کا غلبہ ہو اور انسان آزاد ہو جانے کی شدید خواہش بھی رکھتا ہو تو بیٹھتے ہیں اور بسا اوقات انکشافات ہونے لگتے ہیں۔'' بڑی آسانی اور روانی سے وہ انگریزی میں سمجھاتا گیا۔

''یعنی ہر خواب انکشافات کا درجہ رکھتا ہے شمس؟'' میں نے ناسمجھوں کی طرح سوال کیا۔

''یہ آپ کی خواہش پر منحصر ہے۔ آزادی طلب روحوں کے حجابات جب اٹھ جائیں تو جن امور کو وہ خواب میں دیکھے، جاگنے پر انہیں نہیں بھولتا اور اگر خواہش کمزور ہو تو قوت مدرکہ جاگنے پر خواب کو منتشر کر دیتی ہے۔'' شمس انگریزی میں بولا۔

''اور یہ رویائے صادقہ کیا چیز ہے اشفاق بھائی؟'' عفت نے پوچھا۔

خاں صاحب رک رک کر بولے..... ''میرے قلیل علم کے مطابق عفت رویا کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی نعمت اس نصیب کو دکھائی دیتی ہے جو نفس مطمئنہ کا مالک ہو۔ اس کا خواب اسے ایسے مقامات کی سیر کرا دیتا ہے جو عقل انسانی کے لیے بھی ممکن نہیں۔ دوسری قسم خواب کی وہ ہے جس سے نفس لوامہ کو سابقہ پڑتا ہے یعنی ایسی روح جو ابھی خواہش سے نجات نہیں پا سکی۔ اس لیے اسے ایسے خواب آتے ہیں جو دنیا سے وابستگی ظاہر کرتے ہیں۔ آنے والے واقعات کچھ Premon، کچھ Forebodings، کچھ پیش گوئیاں..... لیکن تیسری قسم خواب کی وہ ہے جو نفس امارہ کو دکھائی دیتی ہیں۔ یہ سب شیطانی ترغیبات سے تعلق رکھتے ہیں۔ کبھی کبھی یہ بھی سچے ہو جاتے ہیں لیکن ان سے انسان کی روح کو فائدہ نہیں ہوتا۔ کیوں کیا میں کچھ ٹھیک سمجھ پایا ہوں شمس؟''

''ول ڈن ول ڈن..... کچھ کچھ میں سمجھ گیا۔'' وہ بچے کی سی معصومیت سے بولا۔

شمس سرخ گردن کیے بڑے انہماک سے خاں صاحب کی باتیں سن رہا تھا۔

چند لمحے ہم خاموش رہے اور عفت نے چائے کے پیالے کو منہ لگا لیا۔

''اشفاق صاحب! کیا آپ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ انسان ایک وقت میں دو جگہ موجود ہوتا ہے۔ تو یہ بات ایک درویش نے مجھے بتایا کہ ہر انسان کی چھ Duplicate کاربن کاپیاں دنیا میں ایک وقت پر موجود ہوتی ہیں۔ کیا ایک وقت پر ایک وقت میں ہونا اسی Phenomena کا حصہ تو نہیں؟'' شمس نے بات کی۔

کچھ دیر سر میں انگلی پھیرنے کے بعد خاں صاحب بولے..... ''جو لوگ حظِ نفس کو چھوڑتے ہیں اور نعمتوں سے منہ موڑتے ہیں۔ اُن کے لیے بہت کچھ ممکن ہے۔ وہ Levitation بھی کر سکتے ہیں اور Linear travel بھی ان کے لیے مشکل نہیں۔''

عفت کی طرف دیکھ کر شمس بولا۔ ''کل رات مجھے لگا کہ میں براڈ لاف میں ہوں۔ چھ سال پہلے میرے باپ نے مجھے وہاں بھیجا تھا۔ وہاں ادیبوں کی ایک انٹرنیشنل کانفرنس تھی۔ باپ نہ جانے کیوں بیٹوں سے اتنی امیدیں وابستہ کر لیتے ہیں۔ وہ چاہتا تھا کہ میں فاکنر (Faulkner) کی طرح ایک بڑا ناول نگار بنوں۔ پتہ نہیں کیوں اولاد ماں باپ کی

آرزو پر کم و بیش کبھی پوری نہیں اتر سکتی۔"

عفت کا نوالہ ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اس نے شمس کا چہرہ غور سے دیکھا۔ عفت کا چہرہ بخار میں تپا ہوا ... ہے اشفاق بھائی وہی ہے...... میں بھی کل رات اسے دیکھ چکی ہوں۔" عفت نے اردو میں کہا۔ ایک ہی وقت ... مقامات پر موجود ہونے کی کیفیت کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"یوں سمجھیے براڈلاف میرا قبلۂ اول ہے۔ وہاں میں داؤد سے ملا۔ وہ افریقی سیاہ فام اتنا طاقتور تھا کہ ... ہلے میں انسان کو جڑ سے اتار پھینکتا اور...... اور...... اس نے اپنی یہ طاقت ہمیشہ لوگوں کو بچانے کے لیے استعمال کی ... نے اپنی ساری طاقت استعمال کر کے مجھے کہا...... شمس...... تو یہ چلے جاؤ...... یہ براڈلاف تمہارے مطلب کی جگہ نہیں ... یہ کہہ کر وہ یونیورسٹی سے غائب ہو گیا۔ نہ جانے کہاں چلا گیا لیکن میری سمت مقرر کر گیا۔ اس نے کوئی مشورہ نہیں ... بحث مباحثہ نہیں کیا لیکن بابا جی کی طرف ایک نظر سے میری منزل مقرر کر دی۔ سیاہ آدمی میں کسی کو بچانے کی کتنی قوت ... ہے۔ پتہ نہیں کیوں وہ یہ طاقت دنیا حاصل کرنے کے لیے استعمال نہیں کرتا۔

اللہ نے سفید فام اور سیاہ فام دونوں کی سعی مقرر کر دی ہے۔ سفید آدمی ہمیشہ دنیا سیدھی کرتا ہے۔ وہ ... ہاتھ پکڑ کر ساری قوت مجتمع کر کے حال کو درست کرتا ہے لیکن سیاہ انسان کو اس دنیا کی فکر نہیں ہوتی۔ وہ روح کو ... مابعد کے لیے کوشش کرتا رہتا ہے۔ کبھی آپ نے سوچا کہ سفید قوموں میں نبی کیوں نہیں آئے؟ انہیں اللہ کی رضا ... دنیا سنوارنی ہے۔ وہ اس دنیا کے لیے بنائے گئے ہیں۔ جب کبھی کسی سفید آدمی کو میری طرح مابعد کی تلاش ہوگی ... کی آرزو ہوگی، اسے مشرق کی طرف دیکھنا پڑے گا۔ پھر چاہے وہ صلیب اٹھالے، چاہے اس کے بیٹے مارے ... بیٹیاں زندہ رہیں۔ چاہے وہ جہاد میں شہید ہوں...... انتخاب اس کا اپنا ہوگا لیکن راستہ مشرق والے دکھائیں گے۔

باہر سے اذان کی آواز آنے لگی۔ دھمال والوں کے گھنگھرو سمٹ کر چپ ہو گئے۔ ڈھول تاشے بجنے بند ... شمس نے اپنے گلے سے گیندے کا ہار اتارا اور عفت کے گلے میں ڈال کر بولا "یہ ہار بڑی چیز ہے جی، اسے ... بابا جی فرماتے ہیں۔ ہر پھول کی یہی آرزو ہوتی ہے کہ وہ بالآخر محبوب کے گلے کا ہار بنے۔"

"عفت مجھے دیکھیے۔" شمس نے عفت پر نظر ڈالی اور اس کا دل بہلانے کی غرض سے بتانے لگا کہ ... میں اسے وہی برجی ملی تھی جو عفت کے خواب میں آئی تھی۔ وہیں اسرائیل کی ناٹے قد کی شاعرہ، گھانا کا جوشیلا جرنلسٹ ... ہندوستان سے آیا ہوا ٹائی سوٹ پہننے والا ہری جوشی تھا۔ ہری جوشی اور شمس اکٹھے ایک کمرے میں رہتے تھے ... آدرشوں پر گتھم گتھا بھی ہو جاتے تھے۔ "میں ادیب تو نہیں تھا لیکن میرے سکول ماسٹر باپ کی آرزو تھی کہ میں ایک ... فاکنر بن جاؤں اور نوبل پرائز پاؤں۔ مجھے اندر سے معلوم تھا کہ فاکنر بننا کسی انسان کے اپنے بس کی بات نہیں ... اپنے سکول ماسٹر باپ کی آرزو کو بھی پس پشت نہیں ڈال سکتا تھا۔ مجھے یہ بھی علم تھا کہ کینسر کا مریض میرا باپ زیادہ ... نہیں رہے گا۔ اسی لیے میں براڈلاف چلا گیا تھا۔"

اسرائیلی برجی کا قد چار فٹ گیارہ انچ تھا۔ جب ہم دونوں براڈلاف کی خوبصورت لانوں پر گھومتے تو وہ ... میرے سینے تک آتی۔ برجی نے مجھے شہد کھانا سکھایا۔ وہ ناشتے پر، دوپہر لنچ کے وقت، شام کی چائے میں، رات کے ...

سے اُڑانیں بھر رہا تھا اور دونوں کوزوں کے درمیان اپنے جلوے دکھا رہا تھا۔ مجھے اس کے سکتہ سے نکل کر پھر
نے پر بے انتہا خوشی ہوئی۔
میں نے خوشی سے آنکھیں نچاتے ہوئے بلال کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ آنکھوں میں مایوسی تھی
سی تیوری تھی۔ اس نے میری کلائی اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر زور سے ہلاتے ہوئے کہا۔
"دادا ابا! اسے مارو۔ اس مرغے کو حلال کر دو۔ یہ پھر سے کیوں زندہ ہو گیا ہے بھلا؟"

●●●●●●●